جناب بدیع الزمان کیکاؤس
جج سپریم کورٹ آف پاکستان (ریٹائرڈ)

قرآن وسنت کا عملی نفاذ

میں نے ایک مضمون میں تجویز پیش کی تھی کہ صرف اس قدر قانون بنا دیا جائے کہ عدالتیں قرآن وسنت کی پابند ہوں گی۔ اور کوئی ایسا قانون نافذ نہ ہوگا جو کتاب وسنت کے منافی ہو تو اس طرح کتاب وسنت مکمل طور پر نافذ ہو جائیں گے، اسلامی قانون وضع کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ وضع کرنے کا کسی کو اختیار حاصل ہے۔ عدالتیں خود کتاب وسنت کی بنا پر فیصلہ کریں گی اور مقدمات کے فیصلے کتابوں میں موجود ہیں جو عدالتوں کی امداد کریں گے۔

اس پر محترم مرغوب صدیقی صاحب نے ایک مضمون میں خدشات کا اظہار کیا کہ اس طرح اسلامی نظام کے نافذ ہونے میں دقتیں ہیں۔ کیونکہ

جو موجودہ قانون ہے وہ تو ختم ہو جائے گا اور جب تک اسلامی قانون کی بنا پر فیصلہ کرنے کے لیے فقہا کا اجتہاد موجود نہ ہو تو عدالتیں فیصلہ کیسے کریں گی؟ نیز انھوں نے فرمایا کہ عدالتوں کو اسلامی شریعت کا تجربہ نہیں ہے لہٰذا مزید تربیت کے بغیر وہ درست فیصلہ نہ کر سکیں گی۔ میں اس مضمون میں وضاحت کروں گا کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے؟

پیشتر اس کے کہ میں صدیقی صاحب کے خدشات پر بحث شروع کروں میں بارِ دیگر اسلامی نظام کی حقیقت کو مختصر الفاظ میں بیان کر دوں تو مناسب ہوگا۔

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ اسلامی سلطنت کا حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سلطنت کا قانون صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ چودہ سو سال ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا قانون رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم پر نازل فرمایا۔ مسلمہ طور پر یہ قانونِ ازلی اور ابدی ہے۔ لوحِ محفوظ میں ہمیشہ سے موجود تھا اور یہ نافذ اس وقت ہوا جب وحی اتری اور جوں جوں وحی کا نزول ہوتا گیا اس کو نافذ ہونے کے لیے کسی مقننہ کی حاجت نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا کہ جوا بند ہے تو قیامت تک کے لیے جوا امتِ مسلمہ کے لیے بند ہو گیا، یعنی حرام ہو گیا۔ اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ کوئی مقننہ کہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرتے ہیں۔ اسلامی سلطنت کا حاکمِ اعلیٰ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں مسلمان حاکم کو جو دراصل اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہے، یہ ہدایت کر دی ہوئی ہے کہ جو کچھ اللہ نے حکم دیا، وہ اس کی تعمیل کرائے گا۔ یہی اسلامی حکومت کا فریضہ ہوتا ہے، اسلامی حکومت خود قانون وضع نہیں کرتی، یہ اس ازلی ابدی قانون کی، جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اطاعت کرواتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کے لیے صرف قواعد و ضوابط بوقتِ ضرورت بنا سکتی ہے۔ بارہ تیرہ صدیاں کسی مسلمان ملک کو کسی مقننہ کا علم تک نہ تھا۔ لیکن جب ہم یورپین اقوام کے غلام ہو گئے تو انھوں نے ہم پر مقننہ کے ذریعے حکومت کی اور ہم نے سمجھا کہ شاید مقننہ ہی کے قوانین کے ذریعے حکومت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم اب ہر بات میں کسی مقننہ کے قانون کی توقع کرتے ہیں۔ جب تک مقننہ قانون وضع نہیں کرتی ہم کہتے ہیں کہ قانون موجود نہیں — یہ مغربی قانون کا خاصہ ہے۔

ہمارا قانون صرف الہامی ہے، اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہوا ہے کہ یہ کتاب مکمل ہدایت ہے اور اس میں پوری تفصیل ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں، یہ ہر سوال کا جواب دیتی ہے اور تمام فیصلے صرف کتاب و سنت کی بنا پر ہونے چاہئیں۔ اور جو کوئی کتاب و سنت کی بنا پر فیصلہ نہ کرے — وہ کافر ہے، فاسق ہے۔ ظالم ہے۔

جب میں نے کہا کہ عدالتوں کو کتاب و سنت کا پابند کر دو تو کتاب و سنت نافذ ہو جائیں گے۔ اور میں نے ساتھ ہی کہا کہ اسلامی سلطنت میں تو قانون صرف — کتاب و سنت ہوتا ہے۔ تو صدیقی صاحب نے اس سے تین سوال پیدا کیے کہ

۱۔ قرآن و سنت کے کچھ قوانین ایسے ہیں کہ جب تک ان کے لیے ذیلی قوانین نہ بنائے جائیں، ان کا نافذ کرنا مشکل ہے۔

۲۔ ہمارے جج صاحبان اسلامی شریعت میں کافی مہارت نہیں رکھتے۔

۳۔ اس زمانے میں نئے نئے مسائل پیدا ہو چکے ہیں، بارھویں تیرھویں صدی تک جو مسائل پیدا ہوئے ان کے لیے تو کافی تشریح کتابوں میں موجود ہے لیکن جو مسائل سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی اور جدید معیشت سے موجودہ صدی میں پیدا ہوئے — ان کے حل کے لیے

فقہاء کا اجتہاد موجود نہیں، لہٰذا عدالتیں بغیر مزید امداد کے فیصلے نہ کر سکیں گی۔

پیشتر اس کے کہ میں ان سوالات کا جواب دوں مناسب ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں اسلامی شریعت کی تاریخ کا حوالہ دوں تاکہ واضح ہو جائے کہ کس قدر مہارت پاکستان کے جج صاحبان اسلامی شریعت کے معاملہ میں رکھتے ہیں۔

جب انگریز نے ہندوستان پر حکومت شروع کی تو اس وقت ہندوستان میں شریعت اسلامیہ نافذ تھی اور تمام فیصلے قرآن وسنت کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ رعیت کو حتی الوسع اپنے شخصی قانون پر قائم رہنے دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے ان تمام شخصی قوانین کو قائم رکھا جن کا تعلق مسلمانوں سے ہی تھا۔ جن معاملات کے متعلق اسلامی شریعت نافذ رہی ان کی فہرست میں درج ذیل کرتا ہوں۔

وراثت، وصیت، گذارہ، حقوق الزوجین، حقوق الاطفال، ہبہ و ولایت، جائز ولدیت، نابالغی، نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار، تنسیخ نکاح، امانت، وقف، دینی ادارے یا دینی معاملات، یا خیراتی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا کے علاوہ شفع کا قانون بھی ہندوستان کے کچھ صوبوں میں اسلامی شریعت ہی کے مطابق تھا۔ جب سے انگریز نے ہندوستان میں حکومت شروع کی، ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں مندرجہ بالا معاملات میں اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتی چلی آئی ہیں۔ کسی مفتی نے ان کو یہ نہ بتایا تھا کہ اسلامی شریعت (مسلم لاء) کیا ہے۔ وہ خود قرآن وحدیث سے پڑھ کر اور فقہاء کی آراء واجتہاد کی بنا پر جو کتابوں میں موجود تھا فیصلہ کرتی چلی آئی ہیں۔ ان کو فیصلہ کرنے میں، باوجود اس کے کہ عام طور پر جج عربی بولنے والا نہ ہوتا تھا ــــ کبھی دقت نہیں ہوئی۔ کیونکہ قرآن پاک کے مستند تراجم اردو، انگریزی کے بھی موجود ہیں اور حدیث کے بھی اور سابقہ فقہاء کے اجتہادات بھی۔ جو کتابیں انھوں نے اس غرض کے لیے استعمال کیں ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کتابیں موجود ہیں۔

جو کتابیں خود ہندوستان میں اور پھر پاکستان میں اسلامی شریعت پر لکھی گئیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ نہ صرف مسلمانوں نے لکھیں بلکہ ہندوؤں اور انگریزوں نے بھی لکھیں۔ سید بدرالدین طیب جی، سید امیر علی، سید عبدالرحیم، فیضی، عبدالرحمٰن،

ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا حامد الانصاری، ڈونلڈ ایز، دون جی ملا، سیکفر، میکناٹن، ہملٹن۔ بیلی، کمالا طیب جی، فدا حسین وغیرہ وغیرہ — یہ وہ ہیں جنہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں شریعت پر کتابیں لکھیں اور اس کے علاوہ ایک فہرست ان کتابوں کی ہے جو پاکستان میں اسلامی شریعت پر لکھی گئیں۔

علماء نے بھی لکھیں اور قانون دان طبقہ نے بھی مثلاً مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، کمال فاروقی، قادری، سید انور علی شاہ وغیرہ وغیرہ۔

یورپین مصنفوں کی بھی بہت سی کتابیں اسلامی شریعت کے متعلق ہیں، جن سے ہندوستان اور پاکستان والے استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح شرق اوسط کے مسلم اور غیر مسلم مصنفین کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ جب سے انگریز کی حکومت ہندوستان میں شروع ہوئی تو ہندوستان کی عدالتوں نے شریعت اسلامی پر فیصلے لکھنے شروع کیے، بڑے بڑے مبسوط فیصلے لکھے گئے۔ اسلامی شریعت کے بنیادی اصولوں پر بہت بحثیں ہوئیں اور فیصلے نہ صرف مسلمان ججوں نے لکھے بلکہ ہندو اور عیسائی ججوں نے بھی لکھے۔ ایک بڑی تعداد ان مقدمات کی تھی، جو فل بنچ کے سپرد کیے گئے اور پاکستان بنا تو یہی معاملہ پاکستان کے ججوں کا تھا۔ بڑے مفصل فیصلے شرع کے مسائل کے متعلق کیے گئے۔ خلع کے معاملہ میں جو سپریم کورٹ نے فیصلہ لکھا، قریباً پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔

دو صدیوں سے زیادہ عرصہ ہندوستان اور پاکستان کی عدالتوں نے اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کیے۔ اور کبھی کسی عالم دین نے اعتراض نہ کیا کہ ان کو قانون کا صحیح پتہ نہ تھا اور سوائے ایک فیصلہ کے جو جسٹس شیخ محمد شفیع مرحوم نے کیا تھا، کبھی کسی فیصلہ پر اعتراض نہ کیا گیا۔ اس پر بھی ناقابلیت کا اعتراض نہ تھا بلکہ یہ اعتراض تھا کہ ان کا نظریہ درست نہیں۔

بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں قانونِ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔ اور انھوں نے اسلامی شریعت کی بہت خدمت کی ہے اور جس قدر اضافہ انھوں نے علم کے ذخیرہ میں کیا ہے اس کا دسواں حصہ بھی کسی دوسرے ملک نے نہیں کیا۔ البتہ اہم مسائل میں عدالتوں کے معاون اور مشیر کی حیثیت سے علمائے دین سے مدد لی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ بعض مسائل میں ایسا ہوتا بھی رہا ہے۔

قارئین کرام اب پوچھیں گے کہ یہ قانون بنانے سے کہ عدالتیں کتاب و سنت کی پابند ہوں گی، کس حد تک موجودہ قانون میں فرق آئے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک لحاظ سے فرق صرف اتنا ہے کہ اس سے پہلے اگر بیس مدات میں شریعت کا نفاذ تھا تو اب پچیس تیس میں ہو جائے گا۔ اور عدالت ہائے پاکستان کو ان معاملات کا فیصلہ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوگی لیکن دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ اب تو جو قانون بھی کتاب و سنت کے منافی ہوگا، غلط ہو جائے گا۔ جب کہ اس سے قبل یہ صورت تھی کہ مقننہ جو قانون بھی بنا دے اس کو کتاب و سنت سے تضاد کی بنا پر رد نہ کیا جاتا تھا۔ یہ تبدیلی بنیادی ہے۔ دراصل یہ تبدیلی عرصہ سے آچکی ہے اور پاکستان کی سپریم کورٹ ۱۹۷۲ء میں قبول کر چکی ہے کہ یہاں قانون صرف اللہ کا حکم ہے۔ لیکن ایک تضاد پاکستان کے قانون کے اندر اس طرح پیدا ہوگیا ہے کہ ایک طرف تو سپریم کورٹ نے کہا کہ قانون صرف اللہ کا حکم ہے اور دوسری طرف جو حلف عدالتوں سے لیا جاتا تھا وہ پاکستان کے آئین پر تھا تو عدالتِ عالیہ نے کہا کہ ہم تو آئین کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ عدالتِ عالیہ اب تک مقننہ کے تمام قانون نافذ کرتی چلی آئی ہے۔ چاہے وہ کتاب و سنت کے خلاف ہی ہوں۔ میں نے جو ترمیم قانون میں پیش کی ہے اس سے دراصل اس تضاد کا رفع کرنا مقصود ہے، ورنہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق تو کتاب و سنت پہلے سے ہی اس ملک کا سب سے اعلیٰ قانون ہیں جن کے خلاف کوئی قانون جائز ہو ہی نہیں سکتا اور اللہ کا حکم بھی یہی ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے۔ میں یہاں یہ بھی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ عدالت عالیہ جو فیصلے قرآن و سنت سے متضاد اس بنا پر کر رہی تھی کہ وہ آئین کی پابند ہے تو وہ صورت اب بدل چکی ہے، اب ہائی کورٹ کا وہ حلف تو موجود ہی نہیں کہ آئین کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اب ان کا حلف مختلف ہے لیکن پرانا سلسلۂ قانون کے نفاذ کا سلسلہ اسی طرح سے جاری ہے، جیسا کہ پہلے تھا۔

ساتھ ہی میں یہ وضاحت بھی اس مرحلہ پر کر دینا چاہتا ہوں کہ جو قانون اس وقت موجود ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا وہ سارا ختم ہو جائے گا؟ یہ خیال کہ اسلامی نظام آتے ہی وہ فوری طور پر سارا ختم ہو جائے گا — غلط ہے۔ صرف اتنا ہوگا کہ اس کے بیشتر حصے کی شرعی حیثیت انتظامی احکام کی یا ذیلی قوانین کی ہو جائے گی۔ اگر حاکم وقت کوئی حکم جاری کرے تو وہ اگر

کتاب وسنت کے مطابق ہو تو درست قرار پائے گا، جس حد تک مطابق نہ ہو، غلط قرار دیا جاتا رہے گا ـــــ عدالتیں دیکھتی جائیں گی اور جس حد تک مطابق نہ ہوں گے، ان کو رد کرتی جائیں گی۔ گویا صورت وہی ہوگی، جو بنیادی حقوق کے متعلق ہے۔ یعنی کتاب وسنت کو بنیادی حقوق کی بجائے سمجھ لیا جائے گا اور جس حد تک کوئی قانون ان سے ٹکراتا ہوگا، تو غلط قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن میں یہ وضاحت بھی کردوں کہ ہر حکم کے لیے کتاب وسنت سے سند لانا پڑے گی۔ کیونکہ اوامر ونواہی اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں اور کوئی انسان ان میں کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

اب، میں تینوں سوالوں کو لیتا ہوں جو اوپر میں نے درج کیے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا کچھ شرعی احکام ایسے ہیں کہ جب تک کوئی ذیلی قوانین ان کے متعلق وضع نہ کیے جائیں وہ نافذ نہ ہو سکیں گے؟

عام تاثر یہی ہے کہ جب کتاب وسنت پر عمل کیا جائے گا تو بہت سے نئے معاملات پیدا ہوں گے مثلاً نظام نماز اور نظام زکوٰۃ قائم کرنا، حکومت پر فرض ہے۔ اس کے متعلق قواعد وضوابط ترتیب دینا ہوں گے۔ ایسا ہی حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق مساعی کا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ نئے محکمہ جات قائم ہوں گے اور موجودہ محکمہ جات میں بھی ایسی تبدیلیاں کی جائیں گی لیکن ان معاملات میں صرف انتظامیہ کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ایسے معاملات میں حق وباطل کا سوال پیدا نہیں ہوگا اور بالفرض کوئی ایسا سوال پیدا ہو تو اس کے فیصلہ کے لیے عدلیہ موجود ہے۔ گویا اصل کام انتظامیہ کے کرنے کا ہے۔ یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ سائنسی ترقی وغیرہ کی وجہ سے لاکھوں مسائل پیدا ہوں گے تو ایسے خیالات کی بنیاد انتظامیہ اور عدلیہ سے متعلق مسائل کو آپس میں خلط ملط کرنے سے بنتی ہے۔ بنا بریں واضح ہے کہ قانون وضع کرنے سے متعلق کوئی نئے مسائل پیدا نہیں ہوں گے۔ بلکہ سوال کتاب وسنت کی تعبیر کا ہے اور اس کو عدالتیں ہی حل کریں گی یعنی حتمی فیصلہ سپریم کورٹ ہی دے گی۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا پاکستان کی عدالتیں اس قدر استعداد رکھتی ہیں کہ قانون شریعت کو سمجھیں تو اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا مزید اجتہاد شریعت کے نفاذ سے قبل لازم ہے۔ کیونکہ

موجودہ زمانے میں نئے نئے مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ بارہ تیرہ صدیاں اجتہاد تو ہوتا رہا جو عدالتوں کی امداد کے لیے موجود ہے لیکن موجودہ صدی میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، ان کے متعلق فیصلہ کیسے ہوگا؟ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اسلامی شریعت پر اجتہاد اس زمانے میں ہوا کرتا تھا جو نئے مسائل سے بھی تعلق رکھتا تھا۔ بہرصورت اگر مزید اجتہاد کی ضرورت ہے تو کیا ہم شریعت کے نفاذ کے لیے اس کا انتظار کریں اور وہ اجتہاد اب کون کرے گا؟ اگر فقہاء نے ابھی کسی نئے مسئلہ کا حل پیش نہیں کیا تو پھر خود عدالتوں کو اس طرف توجہ دینا ہوگی۔ اور اگر ان کو ضرورت محسوس ہوگی تو ان کو کوئی امر مانع نہیں ہے کہ وہ علمائے دین کو بلا کر قرآن وسنت کی رائے دریافت کرالیں۔ ان کو بحث کرنے اور وضاحت کرنے کا موقع دیں ـــــ (اسلامی نظریاتی کونسل اس سلسلہ میں ممد ومعاون ہوسکتی ہے) ہر معاملہ کا حتمی فیصلہ تو ہماری سپریم کورٹ کو کرنا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری سپریم کورٹ شریعت کے ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے کی پوری اہلیت واستعداد رکھتی ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور تدوین کے کام کے مکمل ہونے تک شریعت کے نفاذ کو روک دیا جائے تو

ایسا کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو تو موجود رہنا چاہیے تاکہ جب بھی حکومت یا عدلیہ کو کسی رائے اور مشورہ کی ضرورت پڑے تو وہ مشورہ دے اور وہ معاشرے کی اصلاح کے منصوبے بنانے میں ممد ومعاون ہوسکتی ہے لیکن

کونسل کی وجہ سے اگر اللہ کا قانون بجائے نافذ ہونے کے رک جائے تو گویا نظریاتی کونسل اللہ کے قانون کے نفاذ میں ایک رکاوٹ ہے۔

صدیقی صاحب نے لکھا ہے کہ خود کونسل سے تو یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ کوئی اجتہادی امداد دے لیکن جو تحقیقاتی ادارہ ہے، اس کو ایک قابل وکیل کے سپرد کردیا جائے تو یہ بہتر کام کرے گا۔ اور اس کی امداد سے کونسل کچھ کچھ اجتہاد کرسکے گی۔ تحقیقی ادارے تو تحقیق ہی کرتے ہیں، وہ اجتہاد کرنے والے ادارے نہیں ہیں۔ اگر ہمارے تحقیقی ادارہ نے آج تک کچھ کام نہیں کیا تو ایک قابل وکیل کے وہاں داخل ہونے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ جائے گا اور اس سے ہم کوئی بڑی امیدیں وابستہ کرنے میں حق بجانب نہ ہوں گے۔

کونسل کے متعلق اس بات کو بھولنا نہ چاہیے کہ وہ کوئی بااختیار ادارہ نہیں ہے۔ وہ

صرف مشورہ دیتی ہے، جبکہ اراکین پارلیمنٹ پر کوئی پابندی اس کی سفارشات کی منظوری کے ضمن میں نہیں ہے۔

کیا ذیلی قانون بنے گا، اس کا فیصلہ تو پارلیمنٹ کے ممبران ہی کریں گے۔ جن میں سے بہت کم کتاب وسنت کا علم رکھنے والے ہوتے ہیں اور جو اپنے فیصلوں میں سیاسی مفادات سے متاثر ہوتے ہیں۔ لادینی سیاست تو اقتداری سیاست ہے اور اس کا ہر عمل اقتدار کے تحفظ کو مدنظر رکھتا ہے، جتنا عرصہ مارشل لاء موجود ہے، نظریاتی کونسل کی سفارشات کو پوری وقعت دی جائے گی لیکن مارشل لاء کے دور کے بعد کیا اس کی حیثیت سابقہ کونسلوں جیسی نہ ہوگی؟ سوائے اس کے کہ حکومت کا نقطۂ نظر ہی بدل جائے اور حکومت اسلامی نظام کو فی الواقع قبول کرے۔

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کے فوری نفاذ میں دراصل کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے اور اگر اس وقت کے حالات سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اور کتاب وسنت کے فوری نفاذ کا اعلان نہ کیا گیا تو اس سے ملک کو بہت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

ضروری گذارش

۱۳۹۸ھ

گذشتہ شمارہ میں "محدث" کی باقاعدگی کے اعلان کے مطابق چند ایام کے بعد ہی آٹھویں جلد کا پہلا شمارہ محرم الحرام بھی قارئین کے سامنے ہے۔ ہمارا عزم ہے کہ آئندہ قارئین کو بے قاعدگی یا تاخیر کی شکایت کبھی نہ ہو۔ ان شاء اللہ!

اپنی انتظامی الجھنوں کی دوری کے سلسلہ میں ایک ضروری گذارش قارئین کی خدمت میں بھی ہے:

محدث کی اشاعت میں بے قاعدگی کے احساس کے تحت ہماری طرف سے کافی عرصہ سے سالانہ زرتعاون کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا گیا — جن معاونین نے از خود اس کا احساس کیا ہے، ہم ان کے بیحد شکر گزار ہیں، بہرحال جن احباب نے زرتعاون ادا نہیں کیا ان کو بھی پرچہ کی ترسیل برابر جاری رہی الا یہ کہ کوئی صاحب نقل مکانی کر گئے ہوں جس کی وجہ سے ان کے نام روانہ کیا جانے والا پرچہ واپس آگیا ہو تو آئندہ اس پتہ پر "محدث" ارسال نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے احباب کے ذمہ سالانہ زرتعاون واجب الادا ہے۔ ان احباب کی خدمت میں گذارش ہے کہ اپنا سالانہ زرتعاون بیس یوم کے اندر اندر بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما دیں یا پھر آئندہ شمارہ بذریعہ وی پی وصول کرنے کے لئے تیار رہیں۔ بطور اطلاع ان کے نام آنے والے پرچہ پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی گئی ہے — ترسیل زر کا پتہ یہ ہے: مدیر اعلیٰ ماہنامہ محدث، ۱۰۰ ارجے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور — انتظامی امور کیلئے خط وکتابت اس پتہ پر کریں: دفتر ماہنامہ "محدث" بالائی منزل "میسرز حافظ عبدالوحید اینڈ برادرز" رحمان گلی ۲ نشتر روڈ۔ لاہور۔

— خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔ والسلام! (ادارہ)